ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

مشرقی تنقید کے خصائص اور علامہ شبلی نعمانیؒ

Characteristics of Oriental Criticism and Allama Shibli Nomani

محمد سلیم سرور
پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، نمل، اسلام آباد
ڈاکٹر صائمہ نذیر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، نمل، اسلام آباد

Abstract:

Criticism establishes an identity between good and bad, it is the recognition of good and bad that determines the quality. It is the initial and key step of determining perfection where defects and merits are the thing of beauty. East -ern criticism where the good of art is. It does not look at the flaws, it is the same criticism that made the art work beautiful and made the artist a thinker and inventor. Maulana Shibli Nomani enlightened Urdu criticism with inno - vative and inventive criticism. Eastern criticism, like today's western criticism, Instead of affixing the labels of Marxism, urbanism, aesthetic and historical criticism on the work of art, explores the work of art according to the princip -les of art, and after a thorough investigation, it declares a work of art as eloqu -ent and less eloquent and another as the best. He has emerged as the foremost critic of Eastern criticism and practical criticism.

Keywords: Criticism, Oriental Criticism, Shibli and his Criticism, Eastern criticism, investigation, Eastern criticism

روحِ زمین پر انسان کی آمد کے ساتھ ہی جس طرح انسان کے ایمانیات وعقائد کے مسائل کا آغاز ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح ادب کے آغاز کے ساتھ ہی اس پر تنقید کا آغاز ہو جاتا ہے۔ آغاز کے بعد ارتقا کی منزلوں سے ہوتے ہوئے ادب اور تنقید دونوں ہی عروج پاتے ہیں۔ ابتدا اور انتہا کے درمیان جو مراحل آتے ہیں ان کی تفاصیل مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہوتی ہے کیونکہ یہ ارتقا کا سفر تقریباً جاری رہتا ہے۔ ہر صنف انواع و تجدید کے مراحل سے گزرتے ہوئے معدوم و محفوظ و مامون ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح ادب اورادیب وقت کے ساتھ ساتھ تکمیل پاتے ہیں اسی طرح تنقید بھی وقت گزرنے کے ساتھ بہتر، معتبر اور مقتدر ہو جاتی ہے۔ تنقید کھرے اور کھوٹے میں ایک پہچان قائم کرتی ہے، یہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہی ہے جو معیار کا تعین کرتی ہے۔ یہ داد و تحسین جہاں جمال کی چیز ہے وہاں معائب و محاسن تعینِ کمال کا ابتدائی اور کلیدی زینہ ہے۔ تنقید کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر محی الدین قادری زور ''روحِ تنقید'' میں لکھتے ہیں:

> ''اس کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز پیدا کرنا مگر اصطلاح میں تصنیفات کے (اور بعض جگہ ذاتیات کے بھی) معائب و محاسن کو ایک ایک کرکے دکھانا تنقید کہلاتا ہے۔ غرض فن تنقید اس فن کو کہتے ہیں جس میں دوسروں کی حرکات و اقوال پر انصاف کے ساتھ فیصلے صادر کیے جاتے ہیں۔ صحیح وغلط، اچھے اور برے اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کر دکھانے دقیقہ معتقدات اور ذاتیات کو ملیامیٹ کرنے نیز صحیح مذاق پیدا کرنے کی کوشش کو تنقید کہتے ہیں۔''(۱)

تنقید کسی فن پارے کے متعلق ہو یا کسی ذات کے متعلق اس میں تنقید نگار کو ذاتی نہیں ہونا چاہیے ورنہ معیار کی جگہ تعصب لے لیتا ہے اور اس طرح بات ادلے کا بدلہ تک جا پہنچتی ہے۔ یہ ایک ایسی وبائی بیماری ہے جو بہت سے خود ساختہ اور مجبورِ مرض نام نہاد تنقید نگاروں کو سامنے لاتی ہے۔ ایک دوسرا طبقہ بھی ہے جو مضمون کے فنی اور فکری مباحث میں کوئی کمال مہارت تو نہیں رکھتا مگر صرف اور صرف ناموری کے لیے یا تخلیقی صلاحیت سے محرومی کا غصہ اتارنے کے لیے تنقیدی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

میدان میں زور آزمائی کرتا ہے۔ان سب باتوں کے باوجود تنقید نگار بھی ایک انسان ہے اس لیے وہ کسی نہ کسی تنظیم سے وابستہ ہو سکتا ہے یا کسی فن پارے کی طرف جھکاؤ اعتدال سے زیادہ کر سکتا ہے،ان صورتوں میں تنقید، تنقیص یا تحسین بن کر رہ جاتی ہے۔

دورِ اسلام سے قبل کی تنقید بھی کچھ ایسی ہی تھی جب کسی کے فن پارے کو دیکھتے تو تحسین کرتے یا نقائص بیان کرتے اسے تقریظ کا نام دیا جاتا ہے۔اسلام کی آمد کے بعد شعر وادب کی طرف جو دھیان دیا گیا اس میں فنکار اور فن پارے دونوں کے ساتھ انصاف اس خوبصورتی سے برتا گیا کہ نہ صرف فن پارے کے معائب ومحاسن سامنے آئے بلکہ فنکار مزید سے مزید تر اور بہتر سے بہترین کی تلاش میں منہمک ہو گیا۔پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے مختلف شاعروں کا کلام سن کران کو داد دی اور فن پارے کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ ضرور کہا۔اسلام کے ابتدائی دور کے شعر ونقد نے ترقی کے لیے قدیم شعر ونقد سے بھی رہنمائی لی۔اسلام سے قبل اور اسلام کے ابتدائی دور کی تنقید جہاں قرآن وحدیث کا پیکر نظر آتی ہے وہاں یونانی تنقید کے مفید خصائص سے بھی لیس نظر آتی ہے۔اسلامی اور مشرقی تنقید کی اہمیت کے حوالے سے شمس العلماء مولوی عبدالرحمن اپنی کتاب ''مرآۃ الشعر'' میں لکھتے ہیں:

> ''شعر وشاعری کے متعلق قرآن کریم میں واضح ارشادات ربانی اور رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ واضح موقف نے نہ صرف عربی شعر وادب کی تنقید پر واضح اثرات ڈالے بلکہ عربی کے علاوہ دیگر اسلامی زبانوں فارسی، ترکی اور اردو وغیرہ کے شعر وادب کو بھی اس سے رہنمائی حاصل ہوئی، خصوصاً شعر کی تنقید پر گہرا اثر اپڑا۔قدامہ بن جعفر (صاحب نقد الشعر) نے ارسطو کے تنقیدی نظریات کو بھی عربی میں متعارف کرادیا تھا مگر مسلمانوں کے شعر و ادب پر یونانی تنقید کے مقابلے میں قرآن وسنت پر مبنی ''اسلامی تنقید'' کے اثرات زیادہ گہرے، وسیع اور دائمی ہیں،اس لیے ہمارے نقادوں کو آج کے تنقیدی نظریات پر توجہ دینے سے پہلے عربی فارسی وغیرہ اسلامی یعنی مسلمانوں کی زبانوں کے قدیم وجدید تنقیدی آداب پر بھی نظر رکھنا پڑے گی!''(۲)

ماقبل طلوع اسلام سے لے کر بیسویں صدی تک تنقید کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔تنقید کی ابتدائی روایت کو یونانی روایت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس کی ابتدائی آواز افلاطون کے مکالمات میں اور اس کے بعد ارسطو کی بوطیقا سے اٹھتی ہے۔دوسری روایت سنسکرت کی شعری روایت ہے جس کا بنیادی نکتہ جذبہ احساس یا جمال کی موجودگی کا پتا لگانا ہے۔تنقید کی تیسری روایت عربی تنقید جسے مشرقی تنقید کی روایت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کی بنیاد خارجی محاسن اور فنی محاسن پر تھی۔(۳)

مشرقی تنقید سے مراد وہ تنقید ہے جس نے اسلام سے قبل اور پھر اسلام کے بعد شاعری کی جانچ پرکھ کے حوالے سے کچھ تنقیدی ضوابط مقرر کیے اور انہی ضوابط کے تحت عرب شعرا کے کلام کو پرکھا گیا۔مشرقی تنقید کلام کے لفظی اور معنوی خصائص سے سروکار رکھتی تھی۔مشرقی تنقید کی ان خصوصیات کو ابوالکلام قاسمی یوں بیان کرتے ہیں:

> ''عربی اور فارسی کی پرانی تنقید میں، جس کو مشرقی معیارِ نقد کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، شاعری کی قدر وقیمت کے تعین کا انحصار علمِ معانی، علم بدیع، علم بیان، علم عروض اور علمِ قافیہ پر رہا ہے۔ان علوم میں سے معانی، بدیع اور بیان نے شاعری کی پرکھ کے جو وسائل فراہم کیے انھیں ہم مشرقی شعریات کی اصطلاح سے موسوم کرتے ہیں۔''(۴)

درج بالا اقتباس مشرقی تنقید کے ڈھانچے کی عکاسی کرتا ہے، مذکورہ بالا تنقید فنی خصائص سے لبریز نظر آتی ہے مطلب مشرقی تنقید فکر سے زیادہ فن کی طرف جھکاؤ کیے ہوئے تھی۔مشرقی تنقید کی خوبیوں سے انکار اور مفر کسی صورت بھی ممکن نہیں اور اس بات کا اعتراف ہر دور کے ناقد کو رہے گا کہ اس تنقید نے شاعری کے پیکر کو مضبوط بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔لفظی فصاحت، معنوی بلاغت، صنائع بدائع کا اعجاز اور عروض کا اہتمام یہ سب باتیں وہ ہیں جس نے ماہرین فن کی رہنمائی کی اور کلام کو ارفعیت اور شان وشوکت عطا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مگر یہ خوبیاں عام قاری کے لیے بابل کے معلق باغات کی طرح تھیں جس سے حظ تو اٹھایا جاسکتا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

تھا مگر فکری سطح پر مستفید ہونے کا سامان پس پردہ اور مفقود تھا۔لیکن اس تنقید نے ہی فکری تنقید کے راستے ہموار کیے اور فنکار زیب وآرائش سے آگے بڑھتے ہوئے فکر کی گہری وادیوں میں غوطہ زن ہو کر قاری کے لیے جوہر مقصود لانے میں کامیاب ہوئے۔

اردو تنقید کے مشرقی تصورات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ قدیم شعرا کے اردو تذکروں میں موجود قدیم تنقیدی تصورات کا ہے۔میر تقی میر کا''تذکرہ نکات الشعرا''،میر حسن کا''تذکرہ شعرائے اردو''، مصحفی کا''تذکرہ ہندی''اور محمد حسین آزاد کا آبِ حیات مشہور تذکرے ہیں۔ مذکورہ تذکروں میں تنقید کو موجودہ یا مغربی طرزِ تنقید کا مقام تو حاصل نہیں ہوا مگر یہ تذکرے مشرقی تنقید کی بہت سی شرائط کو پورا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔عکاظ کے میلے میں جس طرح شعرا کا کلام سن کر داد دی جاتی اور کسی ایک فنکار کے کلام کو پسندیدہ ترین قرار دیا جاتا تھا اسی طرح اردو شعرا کے تذکروں میں بھی شاعروں کے تعارف کے ساتھ ساتھ ان کے منتخب کلام کو درج کیا گیا ہے۔اس کلام کے فنی معائب و محاسن بیان کرنے کے ساتھ ساتھ پسندیدگی کے معیار کا تعین کیا گیا ہے۔اور دوسرا حصہ اردو تنقید کا قدیم سے جدید کی طرف مائل ہونا ہے،دوسرے دور کی تنقید روایتی تنقید کی داد و تحسین سے باہر نکلتے ہوئے کچھ اصول وضوابط کی طرف بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے۔اردو ادب میں جدید تنقید کا آغاز مولانا الطاف حسین حالی کے''مقدمہ شعر و شاعری''کی اشاعت سے ہوتا ہے جس میں مولانا نے مغربی اور مشرقی تنقید سے مستفید ہوتے ہوئے کچھ بنیادی تنقیدی اصول وضع کیے ہیں۔اردو تنقید کے قدیم دور میں تنقیدی نظریات میں اصول و ضوابط، معانی و مفاہیم، نظم وضبط اور تنقیدی تصورات میں عدم استحکام پایا جاتا ہے۔ابتدائی تنقید کے دور میں شاعری کے بنیادی مسائل پر نقادوں نے اپنے تصورات کو مشرقی تنقید کے زیر اثر رہتے ہوئے پیش کیا ہے۔ڈاکٹر عبادت بریلوی اپنی کتاب''اردو تنقید کا ارتقا''میں اس بات کی یوں تصدیق کرتے نظر آتے ہیں:

> ''اُردو تنقید کی ان روایات کی عمارت عربی وفارسی کی تنقیدی روایات کی طرح ہی معانی بیان کی اصطلاحات پر کھڑی ہے۔سب سے پہلے ہمیں اس'داد'میں ایک تنقیدی روایت کا پتا چلتا ہے جو ایک شاعر دوسرے شاعر کا شعر سن کر دیا کرتا تھا۔پھر اس کے بعد تذکروں، میں اساتذہ کی اصلاحوں اور تقریظوں میں بھی تنقیدی روایات ملتی ہیں۔''(۵)

اردو شاعری کے ابتدائی دور کے شاعر مشاعروں میں شاعری سن کر داد دیتے مطلب شعر کے لفظوں سے حظ اٹھاتے اور واہ واہ کر اٹھتے۔مشاعروں کی تنقید میں عرب کی قدیم تنقیدی روایات کا پرچار نظر آتا ہے مثلاً الفاظ پر غور کیا جاتا اور اس سے ایک قدم آگے بڑھتے تو معانی کی گہرائیوں کا پتا لگایا جاتا اور اس دور کے شاعر اور نقاد عربی اور فارسی کی تنقید سے کافی متاثر تھے۔اردو تنقید میں مشرقی تصورات نے عربی اور فارسی تنقید سے بہت اثر قبول کیا ہے۔اردو شاعری پر فارسی اور عربی دونوں زبانوں نے اپنے اثرات کو منقش کیا ہے اور ابتدائی دور کے شعرا کی شاعری میں فارسیت کا زیادہ اثر پایا جاتا ہے۔اردو ادب کے شعرا جن پر فارسی زبان کا اثر زیادہ واضح نظر آتا ہے ان میں امیر خسرو، مصحفی اور غالب زیادہ ابھر کر سامنے آئے ہیں۔اردو زبان کے ابتدائی دور کے شعری اور تنقیدی ورثے پر مشرقی زبان وادب کے اثرات کافی حد تک منقش نظر آتے ہیں۔اٹھارویں صدی کو اردو شاعری کا زریں دور کہا جاتا ہے جس دور میں میر،سودا اور خواجہ میر درد جیسے شاعر اپنے جوہر دکھا رہے تھے،اسی دور میں نشر واشاعت کی قلت کی وجہ سے مشاعروں نے جگہ پائی اور پھر انہی مشاعروں سے اردو تنقید نے جڑیں پکڑیں۔

اردو تنقید ابتداء میں تذکروں کی شکل میں نمودار ہوتی ہے اور بعد میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے جس میں الطاف حسین حالی تنقید پر ایک کتاب ''مقدمہ شعر وشاعری'' ۱۸۹۳ء میں مرتب کرتے ہیں۔حالی کی یہ کتاب اردو تنقید کے حوالے سے اپنی نوعیت کی ایک منفرد کاوش ثابت ہوتی ہے۔حالی تنقید کے نئے انداز اور طریق کار سے اردو تنقید کو متعارف کرواتے ہیں اور اردو تنقید میں جدید تنقید کا آغاز ہوتا ہے۔ان سے پہلے اردو ادب میں تنقیدی لحاظ سے اس قدر بلند پایہ کوئی کتاب نہیں ملتی جس پر اردو تنقید کی بنیاد کو کھڑا کیا جا سکے۔حالیؔ نے مغربی تنقیدی تصورات سے اثر قبول کیا اور مغربی تنقید کے اثرات کو اردو تنقید میں شامل کیا۔انھوں نے مغربی تنقیدی اثرات ہی کو قبول نہ کیا بلکہ عربی اور فارسی کی تنقیدی روایت سے بھی استفادہ کیا اور اردو تنقید کو تقویت بخشی۔حالیؔ نے مغربی اثر پذیری کو قبول کرتے ہوئے عربی اور فارسی کی تنقیدی روایت کو مزید فوقیت دی اور اردو ادب کی تاریخ میں تنقیدی لحاظ سے ایک عظیم الشان کام کو سرانجام دیا۔

مولانا شبلی نعمانی کی تنقید کو مشرقی تصورات کے زیادہ قریب محسوس کیا گیا ہے لیکن اس بات کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ مولانا کو انگریزی زبان وادب سے کوئی واقفیت نہیں تھی کیونکہ وہ دور ایسا دور تھا جس میں برصغیر میں انگریز،انگریزی ثقافت اور انگریزی ادب وارد ہو چکا تھا اور برصغیر کا پڑھا لکھا نوجوان انگریزی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

فکر و فن اور ثقافت کو فیشن کے طور پر اپنا رہا تھا۔اس بات کا ہمیں باخوبی علم ہے کہ شبلی نے انگریزی فکر و فن کو بطورِ فیشن تو نہیں اپنایا مگر اپنی تہذیب و ثقافت اور علم و فن سے تقابل کے لیے تھوڑا بہت فہم ضرور حاصل کیا ہوگا۔ شبلی نعمانی کی سرسید اور علی گڑھ سے وابستگی کی وجہ سے انگریزی اور فرانسیسی زبان وادب کے حروف تہجی تک رسائی تو عام سی بات لگتی ہے۔مولانا شبلی نعمانی کے انگریزی ادب سے واقفیت حاصل کرنے کے حوالے سے ڈاکٹر عبادت بریلوی حامد حسن قادری کی ''داستان تاریخ اردو'' سے حوالہ نقل کرتے ہیں:

> ''عربی ادب کے علاوہ انہوں نے مغربی ادبیات سے بھی دلچسپی لی اگرچہ ان کا یہ مطالعہ سطحی تھا لیکن پھر بھی اس کی اہمیت ان کے ذہن نشین ضرور ہوگئی تھی۔اسی خیال سے انہوں نے علی گڑھ کے دورانِ قیام میں پروفیسر آرنلڈ سے فرانسیسی کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔اس انہماک سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں مغربی ادبیات اور خیالات وافکار سے کس قدر دلچسپی تھی۔یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے مغربی ادبیات کا مطالعہ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے توسط سے کیا۔لیکن اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ وہ کسی نہ کسی ذریعے وہ ان سے واقف ہوگئے۔عربی زبان میں مغربی ادبیات کے تراجم تو بہر حال ان کی نظر سے گزرے ہوں گے۔''(۶)

مگر مولانا کا میدان عربی اور فارسی شعری و تنقید کا میدان تھا اور یہاں سے مولانا نے اردو تنقید کے کچھ بنیادی سانچے تیار کیے۔اس کی ایک وجہ ان کی ادبی دلچسپی اور علمی دسترس ہے۔مولانا موصوف کو عربی وفارسی زبان کے ادبی ورثے سے گہری واقفیت تھی اور مذکور زبانوں کے قواعد پر بھی عبور حاصل تھا۔آل احمد سرور اپنی کتاب ''تنقید کیا ہے'' میں بھی ایسی ہی بات کرتے ہیں کہ انگریزی سے سیکھا ضرور ہے مگر نقالی کبھی نہیں کی کیونکہ اردو زبان ایک مکمل زبان اور بھرپور روایت کی حامل زبان ہے:

> ''مجھے یہ کہنے میں شرم نہیں آتی کہ میں نے انگریزی ادب کے مطالعے سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔مگر میں نے اردو تنقید کو کبھی انگریزی تنقید کی نقالی نہیں سمجھا۔کوئی خود مختار اور مستقل زبان دوسرے ادب کی نقالی کرکے زندہ بھی نہیں رہ سکتی میں اپنی نسل کے لیے لکھتا ہوں اور اتفاق سے یہ نسل اردو ادب کے علاوہ انگریزی ادب سے بھی کچھ نہ کچھ واقف ہے لیکن میں نے کبھی اپنے قدم سرمائے کی اہمیت یا عربی،فارسی، سنسکرت کے مزاج کی اہمیت سے انکار نہیں کیا۔اپنی روایات سے انکار،اپنے آپ سے انکار ہے۔''(۷)

مولانا شبلی نعمانی اردو وادب کے بیک وقت ادیب، شاعر، محقق اور نقاد تھے۔انھوں نے اردو ادب پر اپنی تنقید کو عربی اور فارسی کے نظریات وتصورات کے زیر سایہ رکھا۔شبلی نے شعر اور نثر میں جہاں ایک جاندار ورثہ چھوڑا ہے وہاں اردو تنقید میں بھی مشرقی روایت کے حامل مگر جدید تصورات قائم کیے ہیں۔جس طرح حالیؔ نے سرسید احمد خاں کی شخصیت سے اثر قبول کیا تھا۔شبلی نے سرسید کی شخصیت اور تربیت سے مثبت پہلوؤں کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا ہے، مولوی عبدالحق کے بقول مولانا موصوف سرسید کی تربیت کی وجہ سے علم وادب کے محدود دائرے سے نکل کر وسیع دنیا میں رنجہ نشین ہوتے ہیں۔۸۔ شبلیؔ ایک قدآور محقق تھے ان کی تحقیق عہدِ قدیم سے مصدقہ حقائق چھان پھٹک کر عصرِ حاضر میں آئینے کی طرح نمایاں کرکے پیش کرتی ہے۔تاریخ ان کا من پسند شعبہ تھا اور تاریخی امور کو بھی انھوں نے تحقیقی ترازو میں تول کر تنقیدی نگاہ سے دیکھ کر تحریر کی صورت بخشی ہے، مولانا کی انہی خوبیوں کی وجہ سے مہدی افادی نے انھیں تاریخ کا 'معلم اول' کہا ہے۔مولانا شبلی نعمانی نے شاعری میں طبع آزمائی کی تو وہاں بھی کچھ اچھے شعر یادگار چھوڑے، موصوف اگر کل وقت شاعر ہوتے تو شاعری کے میدان میں بھی کمالِ سخن کے اعلیٰ زینے پر موجود ہوتے۔مولانا شبلی نعمانی کیونکہ عربی تنقید سے باخوبی واقف تھے اور عرب کی شعری روایات سے مثبت پہلوؤں کو برتتے تو اپنی شاعری کو بھی خاصے کی چیز بنالیتے۔نثری میدان میں شبلی نے اپنا لوہا باخوبی منوایا ہے، مولانا شبلی نعمانی نے تاریخ، تحقیق اور تنقید کے میدان میں جوہر دکھائے اور پھر ان میدانوں میں ایک وسیع ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ مولانا شبلی نعمانی کی تمام تحاریر کتابی صورت میں قائین کے لیے میسر ہیں اور ویسے بھی یہ باتیں وقتِ دگر کے لیے بچائے رکھتے ہیں اور موضوع کے دائرہ کار کو مدنظر رکھتے ہوئے شبلی کی تنقید ہی کو موضوع بحث بنا کر بات آگے بڑھاتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

مولانا شبلی نعمانی کے تنقیدی تصورات اور نظریات کو ابھارنے میں خارجی پہلوؤں کو بڑا عمل دخل ہے۔ جہاں وہ خارجی حالات سے متاثر ہوتے ہیں وہاں ان کی ذاتی صلاحیتیں بھی اجاگر ہوتی ہیں۔ جس طرح حالیؔ نے سر سید کی تحریک اور ان کے خیالات سے استفادہ کیا ہے، مولانا شبلی نعمانی پر بھی سر سید کے اثرات نظر آتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے اپنے ذہنی میلان کا خارجی حالات کے ساتھ موازنہ کیا اور جو انھیں بہتر لگا، اس کے مطابق اپنے تنقیدی شعور کو پروان چڑھایا۔ مولانا شبلی نعمانی نے مختلف علوم کی تعلیم حاصل کی جس نے ان کے تنقیدی مطالعہ کو جلا بخشی۔ مولانا شبلی نعمانی کے علمی ذخیرے کو ڈاکٹر عبادت بریلوی یوں بیان کرتے ہیں:

> ''شبلی نے مختلف علوم کی تعلیم بڑے انہماک سے حاصل کی تھی، اور تعلیم کے اسی انہماک نے بہت سے علوم کے دروازے ان پر کھول دیے تھے۔ انہیں علوم کی روشنی میں انہوں نے مختلف علوم کا مطالعہ بھی کیا، ایسے مطالعے میں تنقیدی پہلو سے کام لینا ضروری ہے۔ اور یہ چیز ان کے تنقیدی شعور پر جلا کا باعث بنی ہے۔ اور اس کی نشو و نما میں اس نے خاصہ حصہ لیا ہے۔''(۹)

عربی علوم کے دلدادہ تھے وہ شعر العجم لکھنے سے پہلے شعر العرب لکھنا چاہتے تھے۔ شبلی کا شعر العرب لکھنے کا سوچنے کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے ابن رشیق کی کتاب ''العمدہ'' حسان بن ثابت اور عکاظ کے میلے سے اٹھنے والے تنقیدی شعور کا بخوبی مطالعہ کر رکھا تھا۔ شبلی کے عربی مطالعے کی میں دلیل دینا اس لیے ضروری نہیں سمجھتا کیونکہ ان کے مقالات اور شعر العجم جیسی اہم کتاب عربی تنقید کے حوالوں سے بھرے پڑے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی شعراء العرب تو نہ لکھ سکے مگر انھوں نے عربی نقادوں کے تنقیدی علوم کا بغور مطالعہ کیا اور اس سے ان کے تنقیدی شعور میں اضافہ ہوا۔ عربی اور فارسی علوم کے علاوہ ان کا مطالعہ مغربی علوم پر بھی تھا لیکن جس طرح حالیؔ نے مغربی نظریات و تصورات کو اپنے تنقیدی شعور کا حصہ بنایا ہے، مولانا شبلی نعمانی کے ہاں یہ تاثر کم نظر آتا ہے لیکن پھر بھی ان کے تنقیدی تصورات میں مغربی ادبیات و تنقید کا اثر ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کے تنقیدی رجحان کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی ان کے تنقیدی تصورات کو مشرقی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''شبلیؔ نعمانی کی تعلیم و تربیت مشرقی تہذیب اور مشرقی علوم کے زیر سایہ ہوئی۔ ادبی تنقید سے متعلق شبلیؔ نے جو کارنامے انجام دیئے ان میں بیشتر فارسی شعر و ادب سے تعلق رکھتے ہیں۔ شبلیؔ کی نظری اور عملی تنقید کے نمونے یوں تو شعر العجم، مقالات شبلی، موازنہ انیس و دبیر اور ضمنی طور پر ان کی بعض دوسری کتابوں میں بھی ملتے ہیں مگر شبلیؔ کی تنقید نگاری کا لب لباب اور ان کے بنیادی افکار ''شعر العجم'' میں جمع ہو گئے ہیں۔ عربی زبان و ادب، فن و بلاغت اور عربی شاعری کے چند دوسرے مسائل پر شبلیؔ کے مقالات میں تفصیلی بحث ملتی ہے۔''(۱۰)

مولانا شبلی نعمانی کے تنقیدی تصورات ان کی شہرہ آفاق تصنیف شعر العجم میں نمایاں ہوتے ہیں اور مولانا شبلی نعمانی اس کتاب کو عربی اور فارسی تنقید کے زیر سایہ رکھتے ہیں۔ عربی کی نسبت انھوں نے فارسی شعر و ادب سے زیادہ استفادہ کیا اور شعر العجم جیسی تنقیدی کتاب ترتیب دی۔ شعر العجم اگرچہ فارسی شعر و ادب کی تاریخ ہے مگر اس شہ پارے کو وجود میں لاتے ہوتے ہوئے مولانا نے جو تنقیدی نظریہ اپنے ذہن میں قائم کر رکھا تھا وہ عربی و فارسی کا امتزاج تھا۔ شبلیؔ نے اپنے تنقیدی اصولوں کی ترویج میں عربی اور فارسی دونوں مکتب فکر کے نقادوں کے تنقیدی مباحث سے استفادہ کیا ہے، بنیادی مسائل اور تنقیدی اصول انہی کے پیمانوں کے تحت قائم کیے۔ بنیادی مسائل کو حل کرتے ہوئے اور رائے قائم کرتے ہوئے انھوں نے عرب کے قدیم ناقدین کے حوالے دیے ہیں اور فارسی کی تنقیدی کتابوں کو بنیادی حوالے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی پر حالیؔ کی کتاب ''مقدمہ شعر و شاعری'' کا بھی اثر ہے کیوں کہ یہ کتاب ان سے پہلے شائع ہو چکی تھی مگر ان دونوں کا تنقیدی رجحان مختلف ہے مگر کچھ اصلاحات اور اصول و ضوابط دونوں میں مشترک ہیں اور کچھ میں تضاد بھی پایا جاتا ہے۔ حالیؔ اور شبلیؔ دونوں میں اخلاقی نقطہ نظر ایک نوعیت کا ہے۔ اخلاقی اور سماجی نقطہ نظر سے ناپسندیدہ عناصر کو تنقید کے معیار سے پرکھا گیا ہے۔ حالیؔ اور مولانا شبلی نعمانی کے اخلاقی نقطہ نظر کو جاننے کے لیے ان دونوں کے اخلاقی زاویہ نگاہ کو زیر غور لانا ضروری ہے لیکن دونوں نے اخلاقیات کے پہلو کو سماجی پس منظر میں شعری نوعیت سے اجاگر کیا ہے۔ حالیؔ مبالغہ کو شعری صنف میں اچھا نہیں سمجھتے ہیں وہ زیادہ حقیقت پسندی کے قائل ہیں۔ شبلیؔ مبالغہ میں عربی اور فارسی شعراء کے دلائل سے ہم آہنگی ظاہر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی ایک جگہ شبلیؔ اور عرب نقادوں کے بارے مبالغہ انگیزی کے تناظر کی وضاحت کرتے ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

''شبلیؔ مبالغہ کے حق میں عربی اور فارسی کے ایک ایک شاعر کا قول نقل کرتے ہیں اور واقعیت کے حق میں عربی کے ایک نقاد اور ایک شاعر کی رائے کا حوالہ دیتے ہیں۔ نابغہ ذبیانی سے کسی نے پوچھا کہ اشعر الناس کون ہے۔ اس نے کہا کہ ''من استجید کذبہ''(۔ جس کا جھوٹ پسندیدہ ہو) نظامی کا شعر ہے کہ :

در شعر ھیچ ودر فن او

چوں کذب اوست احسن او''(۱۱)

مولانا شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ ان باتوں کی اہمیت اپنی جگہ مگر زیادہ تر ائمہ فن اس (مبالغہ) کے مخالف ہیں۔ حسان ابن ثابت کہتے ہیں کہ ''اچھا شعر وہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو لوگ بول اٹھیں کہ سچ کہا ہے مولانا شبلی نعمانی مزید کہتے ہیں کہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں اساتذہ کے بہت سے اقوال اس کے (واقعیت) موافق نقل کیے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے ''العمدہ'' کے بارے میں جو بات کہی ہے وہ صرف پچاس فیصد درست ہے جن لوگوں کی نگاہ سے ابن رشیق کی ''العمدہ'' گزری ہے وہ جانتے ہیں کہ ابن رشیق نے جہاں مبالغہ کی مخالفت میں علمائے شعر کے اقوال نقل کیے ہیں وہیں اس کی تائید میں بھی بہت سی رائیں جمع کر دی ہیں۔ البتہ یہ بات اہم ہے کہ خود ابن رشیق حسان ابن ثابت کے ہم خیال ہیں اور شعر کے لیے صداقت یا واقعیت پر زور دیتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی واقعیت اور مبالغہ کے حق میں مختلف آراء پیش کرنے کے بعد ان پر محاکمہ کرتے ہیں اور اس طرح معاشرتی معاملات سے اس مسئلے کو ہم آہنگ کر کے دیکھتے ہیں۔''قدما کے اولین کلام میں بالکل مبالغہ نہیں جب عباسیہ کا دور آیا اور عیش پرستی کی ہوا چلی تو مبالغہ کا زور ہوا۔''۱۲

مولانا شبلی نعمانی زیادہ تر عربی اور فارسی نقادوں کے مشرقی تنقیدی تصورات کے قائل تھے اور وہ مبالغہ کا شعری صنف میں استعمال شعر کے بنیادی عناصر میں سے تصور نہیں کرتے تھے بلکہ اسے تمدنی حالات کے زیر اثر شاعری میں شامل کرنے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی مبالغہ کو شاعر کا جھوٹ کہتے ہیں اور مبالغہ کو شاعرانہ حسن سے محروم ایک شعری صنف بتاتے ہیں۔ وہ مبالغہ کو تخیل کے حسن کے لیے استعمال کرنے کے حق میں اور جھوٹ کے لیے ہر گز نہیں۔ مولانا شبلی نعمانی ، حالیؔ کی طرح مغرب سے مستعار لیے ہوئے تصورات کا اپنے مفروضات کی فصاحت کے لیے پیش نہیں کرتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی ارسطو کے خیالات تک رسائی عربی زبان کے نقادوں کی مرہون منت کرتے ہیں۔ ارسطو نے شاعری پر ایک کتاب لکھی جس کا عربی نقادوں نے ابن رشد، ابن رشیق قیروانی اور ابن خلدون نے بحثیں اور تراجم کیے۔ مولانا شبلی نعمانی عربی نقادوں کے حوالے دیتے ہیں جب کہ ابن رشد وغیرہ نے ارسطو کی کتاب ''بوطیقا'' کا ترجمہ کیا۔ اس نے اپنی تخلیص میں عربی زبان وادب کے تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا شبلی نعمانی، حالیؔ کی طرح شاعری کے بنیادی مسائل پر توجہ کم دیتے ہیں اور شعر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اسے تخیل کے ہم معنی قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ ایرانیوں اور عربوں میں شعر کی بنیادی صفت تخیل کو ہی قرار دیا جاتا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی شعر کے مسائل کو سمجھنے کے لیے پہلے عربی اور فارسی علماء کے تصورات سے استفادہ کرتے ہیں۔ اگر ان کو ان کے تصورات میں کوئی غیر مہم بات نظر آتی ہے تو وہ ارسطو کے خیالات و نظریات کو بھی دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی، مولانا شبلی نعمانی کے بلاغت کے تصورات کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

''شبلیؔ کے بارے میں یہ خیال عام ہے کہ وہ بلاغت پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ یہ خیال کچھ غلط بھی نہیں۔ انھوں نے بلاغت اور لوازم بلاغت کا ذکر شعر العجم کے اصولی مباحث میں بھی چھیڑا ہے اور فن بلاغت پر 'الندوہ' کے ایک شمارے میں اس موضوع پر ان کا مضمون بھی ملتا ہے۔ موازنہ انیس و دبیر میں تو انھوں نے انیس و دبیر کے مرثیوں کی قدر و قیمت کے تعین کے لیے جس پیمانے کو تمام تنقیدی پیمانوں پر اہمیت دی وہ فصاحت اور بلاغت کا ہی پیمانہ ہے۔ اس سلسلے میں کہنے کی بات یہ ہے کہ بلاغت پر شبلیؔ کی ساری بحث عربی اور فارسی تنقید کی مرہون منت ہے۔'' (۱۳)

مولانا شبلی نعمانی اپنے تنقیدی تصورات میں زیادہ تر فارسی اور عربی نقادوں کے تنقیدی تصورات سے استفادہ کرتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی فن بلاغت میں اپنے مضمون میں سب سے پہلے فصاحت کو بیان کرنے کے قائل ہیں۔ وہ فصاحت کی ان تعریفوں کو زیر غور لاتے ہیں کہ لفظ نامانوس نہ ہو، قواعد حرفی کے خلاف نہ ہو اور تنافر الحروف نہ ہو۔ مولانا شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ الفاظ فصیح اور غیر فصیح نہیں ہوتے اور ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم نہیں کیا جانا چاہیے ہاں البتہ اتنا ضرور مانتے ہیں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

الفاظ بلاغت پیدا کرنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور یہ بلاغت الفاظ میں نہیں مضامین میں پیدا ہوتی ہے۔ مولانا شبلی نعمانی اپنے تنقیدی نظریات و تصورات کے معاملے میں جہاں مشرقی تنقیدی تصورات کی طرف رخ کرتے ہیں وہیں مشرقی علوم کو اپنے تنقیدی، تحقیقی اور شاعری سرمائے کی میراث گردانتے ہیں۔ ان کے نزدیک فصاحت و بلاغت ہو، شعر کی ماہیت، صنائع بدائع، روزمرہ، محاورہ، تشبیہ، استعارہ، منظر نگاری، واقعہ نگاری اور جذبات نگاری کی کوئی بھی اصلاح ہو، ان تمام عناصر کو مولانا شبلی نعمانی قدیم مشرقی تنقید کے زیر اثر اپنے تصورات کو ترویج دیتے ہیں۔ مشرقی تنقیدی نظریات سے اگر وہ کسی سطح پر مطمئن نہیں ہوتے تو خاموش ہو بیٹھنے یا اپنی رائے دینے کی بجائے مغربی نظریات کی طرف رخ کرتے ہیں اور جو پہلو یا نظریات مشرق کے مقابلے میں بہتر معلوم ہوتے ہیں ان کو اردو تنقید کا حصہ بنانے میں کبھی حیل وحجت نہیں۔ ایک بات عیاں ہے مولانا شبلی نعمانی مغربی تنقیدی نظریات کے معاملے میں مشرقی تنقیدی نظریات کو بطور کسوٹی استعمال کرتے ہیں اور انہی کے مطابق پرکھ کر قبول کرتے ہیں۔ مولانا موصوف اس اصول پر کاربند نظر آتے ہیں کہ جس سرمائے کو پرکھنا ہے اصول وضوابط بھی اس سرمائے سے مطابقت رکھتے ہوں۔ سونے کے وزن کے لیے میٹر کو بطور اکائی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ تخلیقی و تنقیدی صلاحیتوں کی درآمد و برآمد کا سلسلہ ازلی اور فطری ہے مگر اس اصول کو فیشن اور اندھی تقلید بنالینا سراسر خلاف فطرت اور غیر ضروری ہے۔

تنقیدی تصانیف میں شعر العجم مولانا کی اہم تصنیف ہے۔ ''شعر العجم'' فارسی شعر وادب کی تاریخ ہے، اس کی تمام جلدوں میں تنقیدی تصورات و خیالات کو دخل حاصل ہے مگر چوتھی جلد اس حوالے سے تخصیص رکھتی ہے جس میں مولانا نے شاعری کیا ہے، اس کے تحت حاصل ہونے والے ادراک، محاکات اور تخیل وغیرہ سے بحث کی ہے۔ مولانا نے شعر العجم میں تحقیقی نکات درج کرنے میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے اور ساتھ ساتھ تنقیدی رائے قائم کرنے میں بڑی دیدہ بینی کا ثبوت دیا ہے۔ جس دور میں مولانا کا یہ شگوفہء تنقید منظرِ عام پر آیا اس وقت حقائق تلاش کرنا اور درست شواہد پیش کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کتابوں کی غیر موجودگی، سرمائے کی قلت، وقت کی نزاکت اور سفر کی دشواریاں یہ سب مسائل مولانا کے راستے میں حائل تھے مگر انھوں نے ان سب کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے ایک اہم تنقیدی ہیرے کو وجود بخشا۔ مولانا کی توصیف میں اور شعر العجم کی تعریف میں محی الدین قادری یوں رقمطراز ہوتے ہیں:

> ''علامہ شبلی کو فارسی شعراء کے حالات جمع کرکے ''شعر العجم'' کی صورت میں پیش کرنے کے لیے جو جو قتیں اٹھانی پڑی تھیں، انہی کا دل جانتا ہوگا۔ گو نامکمل اور بعض جگہ غلط ہی سہی لیکن شبلی کا زمانہ اور ''شعر العجم'' جیسی تصنیف نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ خدائے پاک کو منظور تھا کہ شبلی کی پرخلوص محنت جملہ نقائص سے پاک ہو جائے ''مردے از غیب بروں آید کارے بکند'' حافظ محمود شیرانی اس طرف توجہ کرتے ہیں اور بوجوہ احسن کرتے ہیں۔ نہ صرف خود بلکہ پروفیسر محمد اقبال کو بھی متوجہ کراتے ہیں۔ ان کی تنقید ''شعر العجم'' ژرف نگاہی اور وسعت تحقیق کے باعث تنقیدی ادب میں درحقیقت ایک شاندار اضافہ ہے۔''(۱۴)

شعر العجم کی چوتھی جلد میں شاعری کے حوالے سے تنقید کے اہم نکات اور قواعد کے پیچیدہ مسائل کو پیش کرکے خود کو اردو تنقید نگاروں کی فہرست میں اہم مقام دلوادیا ہے۔ اس میں انھوں نے فارسی شاعری کی تاریخ اور اس کے ارتقاء کے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں شاعری کے اصل عناصر ادراک، محاکات، تخیل اور حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل کتاب ہے۔ اس کے پہلے اور چوتھے باب میں شعر و شاعری اور شاعری کے تنقیدی تصورات و خیالات کو پیش کیا گیا ہے۔ شعر العجم میں مولانا شبلی نعمانی نے شعری عناصر کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں تشبیہ، استعارے، حسن الفاظ، معنی آفرینی، جدت اور لطف ادا، سادگی و سلاست، فصیح اور مانوس الفاظ اور جملوں کے اجزاء کو پیش کیا ہے۔ اس میں اشعار کا حسین چناؤ اور فارسی شاعری کی بہترین پیش کش کا انداز ہے۔

''موازنہ انیس و دبیر'' مولانا شبلی نعمانی کا اہم تنقیدی کارنامہ ہے جس میں انھوں نے تقابلی تنقید سے کام لیتے ہوئے اردو مرثیے کے دو اہم ستونوں کے شخصیت سے لے کر مرثیوں تک کے اہم نکات کو اپنی تنقیدی نگاہ سے ضو بخشی ہے۔ مولانا موصوف نے مرثیے کی تاریخ سرسری بیان کی ہے حالانکہ یہاں پر موازنہ اس بات کا متقاضی ہے کہ تاریخ کے ذریعے سے دونوں اکابرین کا موازنہ کیا جائے۔ ابتدائی دور کا تنقیدی کارنامہ ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت اپنی جگہ موجود ہے۔ ''موازنہ انیس ودبیر'' کی اہمیت کے حوالے سے آل احمد سرور لکھتے ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

''اور اگرچہ موازنہ انیس و دبیر اصل موازنہ نہیں ہے، مگر پھر بھی شبلی کے فیصلے اکثر و بیشتر
صحیح اور ان کی تنقیدیں زیادہ تر پاکیزہ اور اچھے ادبی ذوق کی ترجمان ہیں۔''المیزان'' کی ساری
موشگافیاں شبلی کے اس فیصلے کو غلط ثابت نہیں کر سکتیں، کہ انیس و دبیر کے دو مصرعے ہی
دونوں کا فرق واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔'مولانا نے سر جھکا کے کہا میں حُسین ہوں،
(انیس)۔'فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں'(دبیر)۔''۱۵

متذکرہ بالا اقتباس میں عملی تنقیدی تصورات اور خیالات کی جھلک موجود ہے''موازنہ انیس و دبیر'' تقابلی (عملی) تنقید پر مشتمل کتاب ہے۔اس میں انھوں نے اردو کے دو عظیم و معروف مرثیہ نگار شاعر میر انیسؔ اور میر زا دبیرؔ کے اشتراکات وافتراقات کے ذریعے اپنی تنقید رائے قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔مولانا موصوف نے اپنے عربی اور فارسی علمی ورثے اور قواعدی عبور کے بل بوتے پر دونوں شاعروں کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد ممیز و ممتاز نکات اور نہاں اور عیاں اوصاف کو اشتراکی وافتراقی بنیادوں پر درج کیا ہے۔اس کتاب کے مطالعہ سے انیس و دبیر دونوں شاعروں کے کلام کے محاسن و معائب قاری کے سامنے آجاتے ہیں اور زبان و بیان کی خصوصیات و اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔اس تصنیف کے ذریعے تنقید کے مشرقی افکار و نظریات کی عکاسی ہوتی ہے اور تنقید کے لیے ایک خاص نقطہ نظر کی پیش گوئی بھی ہوتی ہے۔اردو کے مغرب پرست تنقید نگار اس تنقیدی کتاب کو چھوڑ کر آئی اے رچرڈز کی کتاب ''عملی تنقید''(Practical Criticism) عملی تنقید کی پہلی کتاب اور آئی اے رچرڈز کو عملی تنقید کا امام مانتے ہیں حالانکہ مولانا شبلی نعمانی نے ان سے قریباً ربع صدی پہلے اس تنقیدی کتاب کو وجود بخشا تھا۔

مولانا شبلی نعمانی نے ایک اور ادبی شاہکار مولانا روم کی سوانح پر تصنیف کیا ہے۔ان کی یہ تصنیف مولانا روم کی سوانح پر مشتمل ہے۔اس میں مولانا شبلی نعمانی مولانا روم کی زندگی اور ان کی تصانیف کو زیر بحث لائے ہیں۔اس کتاب میں مولانا شبلی نعمانی نے زیادہ تر تصوف اور فلسفہ کو موضوع بنایا ہے اور تصوف کے عامل و عوامل اور سالک و مسالک کے مسائل کو زیر غور رکھا ہے لیکن پھر بھی ان کی اس تصنیف میں سے تنقیدی تصورات اور خیالات کی جھلک ملتی ہے۔تنقیدی نظریات تو کم ملتے ہیں لیکن ان کی قدر و قیمت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کے مقالات اور تبصروں کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ان کے یہ مقالات اور تبصرے''الندوہ''اور مختلف رسالوں میں گاہے بگاہے چھپتے رہے ہیں۔ان تبصروں اور مقالات میں بھی تنقیدی تصورات اور خیالات کی بحث نظر آتی ہے۔ان میں عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے امتیازات اور ان زبانوں کی فنی نوعیت اور شعر و شاعری میں محاسن و معائب کی نشاندہی کی گئی ہے۔زبان کے فن و بلاغت، معنی آفرینی، صنائع بدائع اور تبصرہ نگاری کے اہم فرائض کی پاسداری کی گئی ہے۔

مشرقی تنقید جہاں فن پارے کے حسین ہونے پر داد دیتی ہے وہاں تنقیص سے بھی صرف نظر نہیں کرتی اسی تنقید نے فن پارے کو جمال بخشا اور فن کار کو مفکر و موجد بنا دیا۔مولانا شبلی نعمانی نے اردو تنقید کو بدیعی و اختراعی تنقید سے روشناس کروایا۔حالی کو مولانا شبلی نعمانی پر زمانی تقدم ضرور حاصل ہے مگر مولانا شبلی نعمانی کی تنقید خالصتاً مشرقی دھارے میں بہتی ہوئی اپنی موجیں تخلیق کرتی چلی گئی۔مشرقی تنقید کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ فن پر مکمل طور تکیہ کرتی ہے اور مشرقی تنقید کے عمائدین نے فن کو اپنا کلیدی اثاثہ سمجھا اور پھر تنقیدی میدان میں قدم رکھا۔مشرقی تنقید آج کی مغربی تنقید کی طرح مارکسی، عمرانی، جمالیاتی اور تاریخی تنقید کے لیبل فن پارے پر چسپاں کرنے کی بجائے فن پارے کو فن کے اصولوں کے مطابق کھنگالتی ہے اور مکمل چھان بین کے بعد کسی فن پارے کو فصیح و بلیغ اور کسی کو بہترین قرار دیتی ہے۔مولانا شبلی نعمانی نے مشرقی تنقید کے عمائدین قدامہ بن جعفر، ابن رشتیق اور حتیٰ کہ قدیم یونانی مفکر افلاطون اور ارسطو سے بھی بہترین اصولوں کی خوشہ چینی کرتے ہوئے اپنے تنقیدی سرمائے کو حیات بخشی ہے۔مولانا شبلی نعمانی انہی اصولوں پر چلتے ہوئے عملی ناقد اور عملی تنقید کے صف اول کے ناقد کے طور پر سامنے آئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، روح تنقید، (اشاعت پنجم) مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۵۳ء ص ۲۸

۲۔عبدالرحمن مولوی، مرآۃ الشعر، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱۵ء ص ۹

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

۳۔ابوالکلام قاسمی،ڈاکٹر،مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت،مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،لاہور،۲۰۰۰ء ص ۱۴

۴۔ایضاً ص ۱۴

۵۔عبادت بریلوی،ڈاکٹر،اردو تنقید کا ارتقا،انجمن ترقی اردو،کراچی،(اشاعت سوم)۱۹۷۹ء،ص ۸۶

۶۔ایضاً ص ۱۸۶

۷۔احمد سرور،آل،تنقید کیا ہے،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،نئی دہلی،۱۹۷۲ء،ص ۱۰

۸۔عبدالطیف اعظمی،مولانا شبلی بابائے اردو کی نظر میں،(مشمولہ) قومی زبان،کراچی،۲۰۱۹ء،ص ۴۹

۹۔عبادت بریلوی،ڈاکٹر،اردو تنقید کا ارتقا،انجمن ترقی اردو،کراچی،(اشاعت سوم)۱۹۷۹ء،ص ۱۸۵

۱۰۔ابوالکلام قاسمی،ڈاکٹر،مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت،مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،لاہور،۲۰۰۰ء ص ۲۱۱۔۲۱۲

۱۱۔ایضاً،ص ۲۱۴

۱۲۔ایضاً ص ۲۲۷

۱۳۔ایضاً ص ۲۲۹

۱۴۔محی الدین قادری زور،ڈاکٹر،روح تنقید،(اشاعت پنجم)مکتبہ معین الادب،لاہور،۱۹۵۳ء ص ۱۶۔۱۷

۱۵۔احمد سرور،آل،تنقید کیا ہے،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،نئی دہلی،۱۹۷۲ء،ص ۶۹